محقق دوانی ہندوستان میں

(جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے، ایل، ایل، بی سابق رجسٹرار

امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش)

(۳)

مولانا جلال الدین رومی مولانا قطب الدین رازی کے ایرانی شاگردوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان کے علاوہ ان کے ایک رومی نژاد شاگرد بھی تھے جن کا نام مولانا جلال الدین رومی تھا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" کے اندر سید یوسف بن سید جمال حسینی کے تذکرے میں لکھا ہے:۔

"او شاگرد مولانا جلال الدین رومی است کہ از تلامذہ مولانا قطب الدین رازی شارح شمسیہ و مطالع است"[۱]

انھیں "مولانا جلال الدین رومی" کے بارے میں برنی نے لکھا ہے کہ جب فیروز تغلق نے مدرسۂ فیروز شاہی کو تعمیر کیا تو انھیں ہی وہاں کی صدارت تفویض کی۔ لکھتے ہیں:۔

"دوم از بناہائے مبارک خداوند عالم مدرسۂ فیروز شاہی است کہ بس بوالعجب عمارتے بر سر حوض علائی بنا شدہ است و عمارت مدرسہ مذکور از رفعت گنبدہا و شیرینی عمارتہا و موازین صحنہا و لطافت نشست جاہا و محلہائے مروح و صفہائے دل آویز گوئے لطافت از عمارت ہائے گردِ عالم مصروف است ربودہ است و عجب عمارتے و بوالعجب بنائے کہ ہر کہ از مقیمان و مسافران در مدرسہ فیروز شاہی در می آید، ہم چنیں تصور می کند کہ مگر در بہشت در آمدہ و یا در فردوس اعلیٰ جائے یافتہ ...... و مولانا جلال الدین رومی کہ بس استادے متفنن است دائماً در منصب افادت سبق علوم دینی

---

[۱] اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۰ [۲] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۵۶۲-۵۶۳ -

می گویند و متعلمان راہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند"[1]

عہد فیروز تغلق کا مشہور شاعر مطہر اس مدرسہ کی تعریف میں لکھتا ہے۔ ؎

گفتم ایں مدرسہ و باغِ شہنشاہِ جہان است — اندروں آئی کہ یک حسن بہ بینی بہزار
چوں در آمد ز درش دید دروں جنت خلد — فاضلاں صف زدہ ہر سوی ملائک کردار
عالمان عربی لفظ و عراقی دانش — ہمہ در جبہ شامی و بمصری دستار
ہر یکے نادرۂ دہر در انواع ہنر — ہر یکے واسطہ عقل در اطراف دیار
در فصاحت بخبارا و سمرقند نشاں — در بلاغت بحجاز و یمن و نجد نثار

ازاں بعد وہ مولانا جلال الدین رومی (صدر مدرس) کی تعریف میں کہتا ہے ؎

صدر آں محفل و سر دفتر آں اوستادے — کہ ز سر تا بقدم صورت عقل است و وقار
گفتم ایں عالم آفاق جلال الدین است — رومی آں کز نسبش ایں کند و روم فخار
راوی ہفت قرآت سند چاردہ علم — شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار

انھیں مولانا جلال الدین کا تذکرہ مولانا عبدالحئی ندوی نے نزہۃ الخواطر جلد دوم میں دیا ہے:۔

مولانا جلال الدین الرومی

"الشیخ الامام العالم الکبیر العلامۃ جلال الدین الرومی احد العلماء المشہورین بالدرس والافادۃ قرء العلم علی الشیخ قطب الدین الرازی شارح الشمسیہ وقدم الہند فولاہ فیروز شاہ السلطان التدریس فی مدرسۃ بدار الملک دہلی وکان یدرس الفقہ والحدیث والتفسیر وغیرہا من العلوم النافعۃ انتفع بہ ناس کثیر واخذوا عنہ منہم الشیخ یوسف بن الجمال الملتانی"۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۲ صفحہ ۲۲)

تعجب ہے مولانا گیلانی رح نے بر بنائے عجلت پسندی صاحب ترجمہ کا پورا نام بھی پڑھنے کی ضرورت نہ سمجھی اور حالانکہ عنوان کے اندر غیر مبہم طور پر ان کا نام "مولانا جلال الدین الرومی" لکھا تھا اور اسی طرح ترجمہ میں بھی۔ مگر انھوں نے ان تصریحات کے باوجود "جلال الدین رومی" کو "جلال الدین دوانی" سمجھ لیا۔ اور صرف

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۵۶۲-۵۶۴

بنا، پر کہ اول الذکر قطب الدین الرازی کے براہ راست شاگرد تھے جو منطق و فلسفہ کے مشہور امام تھے (قرۃ العلم علی الشیخ قطب الدین الرازی شارح الشمسیۃ) اور محقق دوانی بھی اپنی معقولات دانی کے لئے شہرۂ آفاق ہیں، لہٰذا صاحب ترجمہ (جلال الدین رومی) کو "جلال الدین دوانی" قرار دے ڈالا۔ اور چونکہ مولانا عبدالحی ندوی نے صاحب ترجمہ کے بارے میں لکھا تھا: "قدم الہند" اس بنیاد پر مولانا گیلانی نے بھی "علامہ دوانی ہندوستان میں" کے گمراہ کن عنوان کے تحت لکھا۔

"عمارت جب تیار ہوگئی تو اس دانش پژوہ، معارف پرور بادشاہ نے اس کا مصرف یہ لیا کہ علامہ قطب الدین رازی کے تلمیذ رشید مولانا جلال الدین دوانی جب ہندوستان تشریف لائے تو انکو اسی عمارت میں ٹھہرایا گیا اور مولانا نے اس عمارت کو اپنا مدرسہ بنالیا۔" [۵]

حالانکہ محقق دوانی (جن کا نام بھی جلال الدین تھا) ان جلال الدین رومی کے تقریباً سو سال بعد تھے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

میر سید شریف جرجانی

مولانا قطب الدین رازی کے شاگرد رشید شمس الدین محمد بن مبارک شاہ تھے، جو منطق میں دستگاہ عالی کی بنا پر منطقی کہلاتے تھے۔ امام الدین ریاضی نے "قطب الدین رازی" کے تذکرے میں لکھا ہے۔

"ماہر المحققین ظاہر القطبین محور فلک الحکمۃ والدین المولیٰ قطب الدین الرازی یکے از اولیاء مذکور و اعلام مشہور است ..... جمعے از مردم پیش او خواندہ اند۔ از انجملہ شمس الدین محمد بن مبارکشاہ۔" [۶]

محمد بن مبارک شاہ منطقی کے شاگرد رشید میر سید شریف تھے ان کے تلمذ کا بڑا دلچسپ قصہ ہے۔ طاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے۔

"سید شریف نے شرح مطالع کو سولہ مرتبہ پڑھا تھا۔ اس کے بعد جی میں سوچا کہ اب مجھے اسے خود مصنف (قطب الدین رازی) سے پڑھنا چاہئے پس وہ ان کے پاس ہرات پہنچے اور ان سے شرح مطالع پڑھنے کی درخواست کی۔ شیخ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی

---

[۵] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص۲۱۱ [۶] تذکرہ باغستان ورق ۲۷۳ ب ورق ۲۷۴۔

وجہ سے بھنویں آنکھوں پر گر پڑی تھیں۔ لہٰذا انھوں نے آنکھوں پر سے بھنووں کو ہاتھوں کی مدد سے اٹھایا اور سید شریف کی طرف دیکھا تو دیکھتے ہیں کہ نوجوانی کا سن ہے پس فرمایا تم جوان آدمی ہو اور میں کمزور بوڑھا ہوں اب تمہیں پڑھانے کی طاقت نہیں رکھتا پس اگر تم مجھ سے شرح مطالع پڑھنا چاہتے ہو تو مبارک شاہ کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تمہیں اسی طرح پڑھا دینگے جس طرح انھوں نے مجھ سے پڑھا ہے۔ مولیٰ مبارک شاہ اس زمانہ میں قاہرہ (مصر) کے اندر مدرس تھے۔ وہ شارح (قطب الدین رازی) کے لڑکے تھے جنھیں انھوں نے بچپن سے پالا تھا اور تمام علوم سکھائے تھے پس سید شریف ہرات سے شارح (قطب رازی) کا خط لے کر مبارک شاہ کے پاس مصر پہنچے جب مبارک شاہ نے شارح کے خط کو پڑھا تو سر آنکھوں پر رکھا اور کہا بہت اچھا لیکن تمہارا مستقل سبق مقرر نہیں ہو سکتا نہ تو تم قرأت کروگے اور نہ دوران سبق میں کچھ دریافت کروگے صرف سنتے ہی رہوگے میر سید شریف ان سب باتوں پر راضی ہو گئے۔ شرح مطالع مصر کے ایک امیر کا لڑکا شروع کئے ہوا تھا میر سید شریف بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ مبارک شاہ کا مکان مدرسہ سے ملا ہوا رہی تھا اور اس کا ایک دروازہ مدرسہ کی طرف تھا پس ایک رات وہ مدرسہ کے صحن میں نکل کر گھومنے لگے۔ (جب اس حجرے کے پاس پہنچے) تو کان لگا کر سننے لگے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سید شریف کہہ رہے ہیں۔

"شارح نے یہ کہا، استاد نے یوں کہا اور میں یہ کہتا ہوں"[1]

اور بہت عمدہ الفاظ میں تقریر کر رہے تھے جو مبارک شاہ کو اتنے اچھے لگے کہ وہ مارے خوشی کے جھوم اٹھے۔ اس کے بعد سید شریف کو اجازت دیدی کہ وہ سبق میں قرأت بھی کر سکتے ہیں اور دوران درس میں پوچھ بھی سکتے ہیں اور جو چاہے کر سکتے ہیں۔ وہیں پر (اسی سبق پڑھنے کے دوران میں) شرح مطالع پر اپنا مشہور حاشیہ لکھا" (الشقائق النعمانیہ برحاشیہ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص[illegible])

"شرح مطالع" کے علاوہ میر سید شریف نے محمد بن مبارک شاہ سے "شرح حکمۃ العین" بھی پڑھی تھی۔

---

[1] قال الشارح کذا وقال الاستاد کذا وانا اقول کذا۔

"العالم العالم والعلم المنیف والسید السند الشریف شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ است

ح کلمۃ العین پیش او خواندہ" ۵۱

طرح قطب رازی کے شاگرد محمد بن مبارک شاہ سے منطق و فلسفہ اور مخلص الدین سے کلام کا
اسرمایہ لے کر مسند درس و افادہ پر بیٹھے اور بڑے بڑے فضلا اُن سے استفادہ کرنے
بنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:۔

"بعد از ترقی بسن رشد و تمیز آغاز تحصیل فرمودہ در اندک زمانے سرآمد محققان عالم و مقتدائے
عاقان علمائے محترم گردید" ۵۲

ان تک کہ جب تیمور کے دربار میں علامہ سعد الدین تفتازانی کے ساتھ جو اُن سے عمر میں
یے تھے، مناظرہ ہوا تو انھیں اس بری طرح ہرایا کہ وہ اس شکست کے صدمہ سے
ہو سکے۔

حقق دوانی

یر سید شریف سے بے شمار طالب علموں نے کسب فیض کیا۔ ان میں دو بزرگ خاص طور
رہیں:۔ مولانا محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال، اور ان دونوں فاضلوں کے
ق دوانی تھے، چنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے:۔

"مو بالآخر بشیراز شتافتہ در درس مولانا محی الدین کوشکناری و خواجہ حسن شاہ بقال ہمت
بر کسب کمال گماشت واین دو بزرگ از تلامذہ محقق شریف بودند بوفور علم و فضیلت ممتاز بودند" ۵۳

تعلیم سے فراغت کے بعد آغاز جوانی ہی میں مسند درس و افادہ پر بیٹھ گئے۔ جلد ہی ان کے کمالات علمی
ور و نزدیک پہنچ گیا اور اقطار عالم سے طالبان علم آکر اُن کی فیض رسانی سے مستفید ہونے لگے۔
اس طرح فلسفہ و کلام کے قرنہا قرن کی فکری روایات کا ورثہ میر سید شریف کے توسط سے محقق دوانی
اور وہ بجا طور پر سلسلۂ علم و حکمت کے واسطۃ العقد ہیں۔ ان کی جلالت قدر کے بارے میں صاحب

۵۱ باغستان ورق ۴۶-۴۷ و ۵۲ حبیب السیر جلد جز صفحہ ۵۳ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صفحہ ۱۱۱۔

"حبیب السیر" کا یہ کہنا ۔

"از غایت تبحر در علوم معقول و منقول و از کمال مہارت در مباحث فروع و اصول بر جمیع فضلائے عالم و تمامی علمائے بنی آدم فائق بود۔ و در میدان تحقیق مسائل و انحلال معضلات و مسائل و توضیح خفیات متقدمین و تلویح ضیاءات متاخرین قصب السبق از امثال و اقران می ربود۔ فنون مکنونہ کہ از ابوعلی و علامہ طوسی در سر خفا محجوب بود، در نظر بصیرتش جلوۂ ظہور داشت و اسرار مخزون کہ از معلم اول و ثانی مکتوم ماندہ بود، قلم عنایت سبحانی بر صحیفۂ ضمیرش می نگاشت" [1]

مبالغہ طرازی نہیں، بلکہ حقیقت نفس الامری ہے۔

اس لئے اگر منطق و فلسفہ کے امام (قطب الدین رازی) کے بعد ان علوم کا دانائے راز مولانا گیلانی نے محقق دوانی ہی کو سمجھا تو بجا سمجھا۔ مگر ان سے چوک یہ ہوئی کہ انھوں نے انھیں (محقق دوانی کو) قطب رازی کا براہ راست شاگرد سمجھ لیا، حالانکہ محقق دوانی قطب رازی کی وفات کے تقریباً سرسٹھ سال بعد پیدا ہوئے تھے، چنانچہ حسن روملو نے "احسن التواریخ" کے اندر ۹۰۸ھ کی متوفیات میں محقق دوانی کی وفات کو بھی گنایا ہے:۔

"و ہم دریں سال مولانائے اعظم افتخار اعاظم الفضلا و بین الامم اقدم حافظ فنون الحکم قدوۃ العلماء الافہم افہم البلغاء المتبحرین مولانا جلال الدین محمد دوانی ۔ ۔ ۔ در ماہ رجب بمرض اسہال از دنیائے فانی بجہان جاودانی انتقال فرمودہ ۔ ۔ ۔ مدت عمرش ہفتاد و ہشت سال" [2]

اس طرح ان کا سال ولادت ۸۳۰ھ کے قریب قرار پاتا ہے، جب کہ مولانا قطب الدین رازی کا سال وفات ۷۶۶ھ ہے[3] لہٰذا محقق دوانی کی پیدائش قطب الدین رازی کی وفات کے سرسٹھ سال بعد ہوئی۔

---

[1] حبیب السیر جلد سوم جزء سوم صفحہ ۱۱۱ [2] احسن التواریخ ص ۳۰ [3] طبقات الشافعیہ السبکی المجلد السادس ص ۳۱ محمد بن محمد الرازی الشیخ العلامہ قطب الدین ۔ ۔ ۔ توفی فی سادس ذی القعدہ ست و ستین و سبعمائۃ" نیز بغیۃ الوعاۃ للسیوطی ص ۳۸ : "محمد بن محمد الرازی القطب المعروف بالتحتانی ۔ ۔ ۔ مات القطب فی ذی قعدہ سنہ ست و ستین و سبع مائۃ"

اس کے بعد مولانا گیلانی کا یہ فرمانا کہ

"علامہ قطب الدین رازی کے تلمیذ رشید مولانا جلال الدین دوانی جب ہندوستان تشریف لائے تو آپ کو اسی عمارت میں ٹھہرایا گیا"

ایک فاحش غلطی تھی جس کا منشا اصل مآخذ و مصادر کے ہوتے ہوئے ثانوی مآخذ پر اکتفا کر لینا تھا۔

بہر حال نہ تو محقق دوانی قطب الدین رازی کے براہ راست شاگرد تھے، کیوں کہ دونوں کے درمیان تین فاضل اور تھے یعنی قطب الدین رازی۔ محمد بن مبارک شاہ۔ میر سید شریف (محی الدین کوشکناری) (خواجہ حسن شاہ بقال) محقق دوانی۔

اور نہ وہ (محقق دوانی) کبھی ہندوستان تشریف لائے، کسی تذکرے میں ایسا مذکور نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس "مآثر رحیمی" میں اس بات کی تصریح ملتی ہے کہ جام نظام الدین والی سندھ نے ان کے علم و فضل کا شہرہ سن کر انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور زاد راہ بھی بھیجا تھا۔ مگر ہنوز اس کے قاصد زاد راہ کے ساتھ ابھی راہ ہی میں تھے کہ محقق دوانی کا انتقال ہو گیا اور وہ یہاں (سندھ یا ہند میں) تشریف نہ لا سکے۔ نہاوندی نے لکھا ہے:۔

"و جام (جام نظام الدین) بمباحثہ و مذاکرہ علمی مشغول می بود۔ و مولانا جلال الدین دوانی از شیراز ارادہ آمدن ملازمت او نمودہ۔ میر شمس و میر معین کہ شاگردان او بودند بہ تتہ فرستادہ از جام استدعا نمود کہ در تتہ ساکن شوند۔ جام منازل لائق تعیین نمودہ، اسباب معیشت و خرچ مہیا و آمادہ کردہ رسولانا بطلب مولانا فرستادہ۔ تا رسیدن خرچ راہ و رسولان مولانا سفر تتہ را بسفر آخرت تبدیل نمودہ بملک بقا رفتہ بود۔ و میر معین و میر شمس الدین بہ تتہ مراجعت نمودہ با جام بسر می بردند تا جام جام اجل درکشید"

(مآثر رحیمی از نہاوندی جلد اول ص۳۲۳)

دیگر تسامحات

مولانا کی عجلت فرمائی تھی جس کے اندر بہت کچھ اُن کے قلت مطالعہ کا بھی دخل تھا، اسی ایک تسامح پر اکتفا نہیں کیا کہ انھوں نے قطب الدین رازی کے براہ راست شاگرد مولانا جلال الدین کو

معقولی بنادیا ہو۔

"جب کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ منطق و فلسفہ کے مشہور امام علامہ قطب الدین رازی التحتانی کے براہ راست شاگرد بھی ہندوستان بھیج کر فنون عقلیہ کی تعلیم دے رہے تھے، تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں ان علوم کے متعلق کون کون سی کتابیں نہ پڑھائی جاتی ہونگی۔" [۱]

اس کے علاوہ بھی تسامحات فرمائے ہیں مثلاً

(۱) "اپنے خاص فن (معقولات) کے سوا مولانا اسی مدرسہ میں حدیث و تفسیر کا بھی درس دیتے تھے۔" [۲]

جہاں تک "حدیث و تفسیر" کے درس کا تعلق ہے، مولانا گیلانی کا ماخذ "نزہۃ الخواطر" ہے، جس میں تحریر ہے:۔

"کان یدرس الفقہ والحدیث والتفسیر وغیرہا من العلوم النافعۃ"	وہ فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم مفیدہ کا درس دیا کرتے تھے۔

اور "نزہۃ الخواطر" کا ماخذ ضیاء الدین برنی کی "تاریخ فیروز شاہی" ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے۔

"متعلمان را ہموارہ تعلیم می کند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند۔" [۳]

ظاہر ہے اگر مولانا جلال الدین رومی علوم دینیہ کے علاوہ علوم عقلیہ بھی پڑھاتے ہوتے تو برنی کو اس کی تصریح سے کیا امر مانع ہو سکتا تھا۔ آخر انھوں نے (برنی نے) عہد علائی کے علماء کے بارے میں بھی تو لکھا تھا۔

"و در ہر علمے کہ فرض کنند از منقولات و معقولات و تفسیر و فقہ و اصول فقہ و معقولات و . . . . بدیع و بیان و کلام و منطق موئے شگافتند۔" [۴]

پھر اس عدم ذکر میں برنی ہی منفرد نہیں ہے۔ بلکہ عہد فیروز شاہی کا مشہور شاعر مطہر بھی مولانا جلال الدین

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت صفحہ ۲۱۱ [۲] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت صفحہ ۱۱۸

[۳] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۴۶ [۴] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۳۵۴۔

کو صرف علوم دینیہ ہی کا ماہر بتاتا ہے۔

راوی ہفت قرآت سند چاردہ علم شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چہار

اس کے علاوہ بدایونی کی تصریح بھی موجود ہے کہ دسویں صدی سے پہلے (یعنی مولانا عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتانی کے آنے سے پہلے) ہندوستان (دہلی و نواح دہلی) میں منطق و کلام کے اندر شرح شمسیہ" (قطبی) اور "شرح صحائف" سے زیادہ پڑھنے پڑھانے کا رواج نہیں تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"واز جملہ علمائے کبار در زمان سکندر شیخ عبد اللہ تلنبی در دہلی و شیخ عزیز اللہ در سنبل بودند

وایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند" [۱]

بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "شرح شمسیہ" (قطبی) جو مولانا جلال الدین رومی کے استاد مولانا قطب الدین کی تصنیف ہے، اسی عقیدتمند شاگرد نے لاکر ہندوستان میں متعارف کرائی اور اس کے بعد دسویں صدی کے آغاز تک منطق کا اعلیٰ ترین نصاب محسوب ہوتی رہی۔

مگر "قطبی" منطق و معقولات کے نصاب کی اعلیٰ ترین کتاب نہیں ہے۔ عہد حاضر میں یہ شرف "حمد اللہ قاضی مبارک" کو دیا جاتا ہے اور پچھلے زمانہ میں "شرح مطالع" کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ آج بھی جبکہ طلباء پست ہمتی سے معقولات متاع کاسد بن کر رہ گئی ہے، قطبی نصاب کی اعلیٰ کتابوں میں محسوب نہیں کیجاتی اس کا شمار صرف متوسطات ہی میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر علوم دینیہ (تفسیر و حدیث و فقہ) کے علاوہ علوم میں سے انھوں نے (مولانا جلال الدین رومی نے) کسی کتاب کے ساتھ اعتنا کرنا ضروری سمجھا تو وہ "شرح شمسیہ" ہوگی اور اس کا معیار ظاہر ہے۔ اس کے بعد مولانا گیلانی کا یہ ارشاد کہ:۔

"اپنے خاص فن (معقولات) کے سوا مولانا اس مدرسہ میں حدیث و تفسیر کا بھی درس دیتے تھے" [۲]

نیز اس "معقولات" کے نصاب کے تعین کے سلسلے میں ان کا یہ فرمانا کہ

"منطق و فلسفہ کے مشہور امام علامہ قطب الدین الرازی التحتانی کے براہ راست شاگرد بھی ہندوستان

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۲۳ - ۳۲۴۔ [۲] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت صفحہ ۲۱۱

پہونچ کر فنون عقلیہ کی تعلیم دے رہے تھے۔ تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں ان علوم کے متعلق کون کون سی کتابیں نہ پڑھائی جاتی ہوں گی "[1]

کسی مزید تبصرے کا محتاج نہیں ہے

البتہ ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے مستبعد سمجھا کہ منطق و فلسفہ کے مشہور امام علامہ قطب الدین الرازی التحتانی کا براہ راست شاگرد "علوم عقلیہ کا رسیا نہ ہو۔ حالانکہ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ محقق دوانی کی معقولات دانی جس پایہ کی تھی، ظاہر ہے، حتیٰ کہ صاحب "حبیب السیر" نے تو انھیں معلم اول و معلم ثانی اور بوعلی سینا اور محقق طوسی سے بھی بڑھا دیا ہے:-

"فنون مکنونہ کہ از ابوعلی و علامہ طوسی در سر خفا محجوب بود، در نظر بصیرتش جلوۂ ظہور داشت و اسرار مخزون کہ از معلم اول و ثانی مکتوم ماندہ بود، قلم عنایت سبحانی بر صحیفہ ضمیرش می نگاشت "[2]

مگر انھیں محقق دوانی کے شاگرد رشید میر سید رفیع الدین صفوی تھے۔ انھوں نے محقق دوانی سے معقولات ہی پڑھی تھی جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:-

"جامع بود میاں فضائل حسبیہ و نسبیہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در معقولات شاگرد مولانا جلال الدین دوانی است"[3]

بایں ہمہ معقولات خوانی انھوں نے علم حدیث میں تبحر کو اپنا مقصد حیات بنایا اور جب صفویوں کی حرکتوں سے تنگ آکر حرمین شریفین تشریف لے گئے تو وہاں شیخ شمس الدین محمد سخاوی سے حدیث پڑھی۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

"در حدیث شاگرد شیخ شمس الدین محمد ابن عبدالرحمن السخاوی الحافظ المصری است کہ از محققین ارباب حدیث و قدوۃ متاخرین ایشان است۔ گویند کہ شیخ سخاوی پیش از آنکہ میر رفیع الدین بصحبت او رسد، سند اجازت بنجاہ و چند کتب را نوشتہ برائے فرستاد، بعد ازاں بصحبت او رسیدہ و مشافہۃً حدیث را از وے شنیدہ و مدت مدید تلمذ نمودہ "[4]

---

[1] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص۲۹ [2] حبیب السیر جلد سوم جزء سوم ص۱۱۱ [3] اخبار الاخیار ص۲۵۰ [4] اخبار الاخیار ص۲۵۰ [5] اخبار الاخیار ص۲۵۰۔

انھیں فضائل حسبیہ ونسبیہ" اور تبحر فی الحدیث کا نتیجہ تھا کہ جب آگرہ تشریف لائے تو سلطان سکندر لودی نے غیر معمولی عزت و احترام سے نوازا اور "حضرت علیہ" کا خطاب بخشا۔

پھر مولانا قطب الدین رازی ہر چند کہ "منطق و فلسفہ کے امام" تھے، مگر علوم شرعیہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابن عماد حنبلیؒ نے اُن کے بارے میں لکھا ہے :-

"شارك فى العلوم الشرعية واخذ عن العضد وغيره۔"[1]

یہی نہیں بلکہ جب وہ دمشق میں مقیم تھے اور سبکی نے اُن سے ملاقات کی تھی تو حدیث ہی کے اندر دونوں کا مذاکرہ ہوا تھا، چنانچہ حافظ جلال الدین السیوطیؒ نے ان کے (قطب رازی کے) تذکرہ میں لکھا ہے

"سأل السبكى عن حديث كل مولود يولد على الفطرة فلما كما السبكى فنقض هو ذلك الجواب او بالغ فى التحقيق۔"[2]

انھوں نے سبکی سے حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ کے بارے میں پوچھا، سبکی نے اس سوال کا جواب دیا مگر قطب رازی نے اسے غلط ثابت کیا یا اس کی تحقیق میں بہت زیادہ مبالغہ کیا۔

خود سبکیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ہم نے انھیں معقولات و حکمت کے علاوہ تفسیر نحو اور بلاغت میں ماہر پایا۔ فرماتے ہیں :-

"بحثنا معه فوجدناه اماماً فى المنطق والحكمة عارفاً بالتفسير والمعانى والبيان مشاركاً فى النحو۔"[3]

ہم نے اُن کے ساتھ بحث کی پس ہم نے انھیں منطق اور حکمت میں ماہر فن پایا اور تفسیر معانی اور بیان کا واقف کار نیز نحو میں دستگاہ رکھنے والا۔

اس لئے اس میں کوئی استبعاد نہ ہونا چاہئے کہ "منطق و فلسفہ کے مشہور امام علامہ قطب الدین رازی کا شاگرد "معقولات بالخصوص علوم دینیہ میں تبحر و تمہر رکھتا تھا اور "تفسیر حدیث اور فقہ" پڑھاتا تھا۔

(۲) اسی قبیل کا دوسرا تسامح وہ ہے جو مولانا گیلانی نے بالائے بند کی عبارت میں مولانا جلال الدین رومی کی درس و تدریس کا دعوٰی کر کے کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] شذرات الذہب الجزء السادس ص ۲۰۶ [2] بغیۃ الوعاۃ للسیوطی ص ۲۸۵ [3] طبقات الشافعیہ الجلد السادس ص ۱۳۱۔

"آگے اسی بالا نے بند کی عمارت میں مولانا کے درس وتدریس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔"

لیکن یہ غلط دعویٰ ہے کیونکہ مولانا جلال الدین رومی (اور مولانا گیلانی کے "دوانی") اس مدرسہ میں درس کے فرائض انجام نہیں دیتے تھے، بلکہ فیروز تغلق نے علاء الدین خلجی کے بنائے ہوئے تالاب پر جو عمارت تیار کی تھی اس میں درس دیتے تھے۔ برنی نے لکھا ہے۔

"دوم از بناہائے مبارک خداوند عالم مدرسہ فیروز شاہی است کہ بس بوالعجب عمارتے بر سر حوض بنا شدہ است . . . . . ومولانا جلال الدین رومی کہ بس استاد محقق است دانما در مدرسہ مذکور سبق علوم دینیہ"[1]

بالا بند سیری کا مدرسہ بالکل علیحدہ تھا، جس کی صدارت فیروز تغلق نے مولانا نجم الدین کو تفویض کی تھی یہ "تیسری عمارت" تھی جس کے بارے میں برنی نے لکھا ہے۔

"و سوم بنائے مبارک سلطان فیروز شاہی در دارالملک دہلی عمارت بالا بند سیری است و مولانا سید الائمہ والعلماء نجم الملۃ والدین سمرقندی را کہ از نوادر اساتذہ است در آں عمارت مدرس گشتہ"[2]

اسی ماخذ کی بنیاد پر مولانا عبدالحیؒ نے "نزہۃ الخواطر" میں مولانا نجم الدین سمرقندی کے

الشیخ الامام العالم الکبیر العلامۃ نجم الدین الحنفی السمرقندی . . . . کان یدرس فی قصر بالا بند سیری بدار الملک دھلی فی عھد فیروز شاہ السلطان وکان ذلک القصر من ابنیۃ السلطان[3]	شیخ امام عالم عظیم الشان علامہ نجم الدین سمرقندی . . . بالا بند سیری کے محل میں شہر دہلی کے اندر فیروز شاہ درس دیا کرتے تھے اور یہ عمارت سلطان کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سے تھی۔

(۳) مولانا گیلانی نے قطب الدین رازی کے "تحتانی" کہلانے کی وجہ تسمیہ کے ضمن میں لکھا:

"قطب الدین رازی مصنف "قطبی" اور قطب الدین شیرازی شارح حکمۃ الاشراق ومصنف "درۃ التاج" وغیرہ یہ دونوں ہم نام وہم عصر عالم ایک ہی زمانہ میں شیراز کے ایک مدرسہ میں استاد مقرر ہوئے۔ بالا خانہ میں شیرازی پڑھاتے تھے، اس لئے انہوں قطب الدین فوقانی اور نچلی منزل میں قطب الدین رازی کو

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۵۶۲-۵۶۳ [2] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۵۶۳ [3] نزہۃ الخواطر الجلد

دیتے تھے، اس لئے ان کو قطب الدین تحتانی کہتے تھے" ۱؎

مولانا کا یہ ارشاد محل نظر ہے۔ قطب الدین رازی، قطب الدین شیرازی کے شاگرد تھے چنانچہ امام الدین ریاضی کی تصریح اوپر مذکور ہوئی۔ مگر وہ دونوں شیراز کے مدرسہ میں بیک وقت معتکف نہیں تھے۔ یہ واقعہ دمشق کے مدرسہ ظاہریہ کا ہے کسی اور قطب الدین کے ساتھ، ورنہ قطب الدین شیرازی کا تو انتقال ۷۱۰ھ میں ہوچکا تھا سیوطی نے لکھا ہے:-

"محمد بن محمد الرازی القطب المعروف بالتحتانی تمیزاً له من قطب آخر کان ساکناً معه بأعلی المدرسة الظاهریة وقدم دمشق" ۲؎

"محمد بن محمد الرازی قطب الدین جو تحتانی کے نام سے مشہور ہیں تاکہ وہ ایک اور قطب الدین سے ممتاز ہوجائیں جو مدرسہ ظاہریہ کی اوپر کی منزل میں ان کے ہمراہ قیام پذیر تھے ..... دمشق تشریف لائے"

قطب شیرازی کا انتقال ۷۱۰ھ میں ہوا تھا چنانچہ سبکیؒ نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے:-

"محمود بن مسعود بن مصلح الفارسی الامام قطب الدین الشیرازی... مات فی شهر رمضان سنة عشر وسبع مائة" ۳؎

"محمود بن مسعود بن مصلح الفارسی امام قطب الدین شیرازی .... نے ماہ رمضان ۷۱۰ھ میں انتقال کیا"

اور قطب رازی دمشق میں جہاں انھیں اپنے ہم نام قطب الدین کے ہمراہ مدرسہ ظاہریہ میں رہنا پڑا حسب تصریح سبکی ۷۶۳ھ میں دمشق آئے تھے:-

"محمد بن محمد الرازی الشیخ العلامة قطب الدین المعروف بالتحتانی .... ورد الی دمشق فی سنة ثلاث وستین وسبعمائة" ۴؎

"محمد بن محمد الرازی شیخ العلامہ قطب الدین المعروف بالتحتانی .... بشہر دمشق میں ۷۶۳ھ میں وارد ہوئے"

۱؎ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص۲۱۱ ۲؎ بغیۃ الوعاۃ السیوطی ص۳۹۹ ۳؎ طبقات الشافعیہ المجلد السادس ص۲۴۸
۴؎ طبقات الشافعیہ المجلد السادس ص۳۱ ۔ اسی طرح مجالس المومنین میں ہے تحت ملاقی بعد از وفات سلطان ابوسعید... (اگلے صفحہ پر)

اس لئے یہ قیاس آرائی انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ وہ قطب الدین شیرازی جو ۷۱۰ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے ۷۳۶ھ کے بعد قطب الدین رازی کے ہمراہ مدرسہ ظاہریہ دمشق میں سکونت پذیر رہے ہوں۔

(۴) مولانا گیلانی نے محقق دوانی کے وطن "دوان" کے تلفظ کے بارے میں بھی اپنے اہل مدارس کی تغلیط کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ دوان نامی قریہ کی طرف نسبت ہے، ہمارے مدارس میں عموماً اس لفظ کا تلفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن خود ایک ایرانی مورخ اس کے متعلق لکھتا ہے:۔ دوان علی وزن جوان۔ دوسری کتابوں میں بھی ضبط اعراب کرتے ہوئے یہی لکھا گیا ہے، اسی کتاب میں ہے کہ گازرون کا یہ ایک قریہ ہے اسی میں ہے کہ علامہ دوانی نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر منزل عالی بنوائی تھی جو دشت ارزن کی طرف مشرف تھی"۔[۱]

مگر "مدارس میں" اس لفظ کا تلفظ بالکل صحیح کیا جاتا ہے (واؤ کی تشدید کے ساتھ) اس کا تلفظ دوّان (بتشدید واؤ بوزن) ہی ہے، معلوم نہیں مولانا گیلانی نے کن دوسری کتابوں میں واؤ کی تخفیف منضبط دیکھی ہے۔ بہر حال یاقوت جس نے "معجم البلدان" میں مختلف مقامات کے تلفظ کو بڑی صحت کے ساتھ ضبط کیا ہے، لکھتا ہے:۔

"[دوّان] بفتح اوله وتشديد ثانيه وآخره نون:۔ ناحية من ارض فارس توصف بجودة الخمر"۔ (معجم البلدان المجلد الرابع صفحہ ۹۶)

رہا "دوان" (بتخفیف واؤ بوزن علی وزن جوان) وہ محقق دوّانی کے وطن "دوّان" سے بالکل مختلف جگہ ہے کیونکہ وہ (یعنی "دوان" بتخفیف واو) بجائے گازرون فارس کے عمان میں ساحل بحر پر واقع ہے، یاقوت لکھتا ہے:۔

"[دوَان] بضم اوله وتخفيف ثانيه، ناحية بعمان على ساحل البحر"۔ (معجم البلدان المجلد الرابع صفحہ ۹۶)

(۵) اس معروض کا مقصد مولانا کی کتب پر تبصرہ نہیں ہے اس لئے کتاب کے دیگر تسامحات سے صرف نظر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بجانب شام شتافت" اور ابو سعید کی وفات ۷۳۶ھ میں ہوئی تھی یعنی مولانا قطب الدین ۷۳۶ھ کے بعد دمشق گئے جہاں کسی قطب الدین کے ہمراہ تھے مگر قطب الدین شیرازی کا انتقال ۷۱۰ھ میں یعنی ابو سعید کی وفات سے ۲۶ سال قبل ہو چکا تھا۔

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت صفحہ ۱۶۳

کیا جاتا ہے البتہ ایک تسامح کی طرف توجہ ضروری ہے کیونکہ وہ اسی بحث کا ایک حصہ ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے:-

"شرح مطالع اور شرح مواقف درس میں :- کوئی خاص تصریح تو نہ ملی، لیکن غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ شیخ عبداللہ و شیخ عزیز اللہ نے ممکن ہے معقولات علم ان ہی مولانا سماء الدین سے حاصل کیا ہو یعنی جب وہ یعنی مولانا سماء الدین بیک واسطہ میر سید شریف جرجانی کے شاگرد ہیں تو ظاہر ہے کہ ان عقلی فنون کا ان پر غلبہ ہو کم ہے۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ شرح مطالع، شرح حکمۃ العین (کذا)، شرح مواقف جیسی کتابیں جنمیں آخر الذکر دو کتابیں خود میر سید شریف اور اول الذکر ان کے استاد قطب الدین رازی کی کتابیں ہیں یہاں کے نصاب میں شریک ہوئی ہونگی، خصوصاً شرح مطالع پر جب میر صاحب کا معرکۃ الآرا حاشیہ بھی موجود ہے[۱]"

ان میں دو تین باتیں محل نظر ہیں:-

الف:- شیخ عبداللہ تلنبی مولانا سماء الدین کے شاگرد نہیں تھے بلکہ عبداللہ یزدی کے شاگرد تھے۔ اپنے وطن میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر ایران تشریف لے گئے تھے جہاں عبداللہ یزدی سے فلسفہ و حکمت کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالحی ندوی لکھتے ہیں:-

"الشیخ الفاضل العلامۃ عبد اللہ بن الہداد العثمانی التلنبی الملتانی ثم الدہلوی احد الاساتذۃ المشہورین فی الہند ولد بتلنبہ ..... وقرأ ایاماً فی بلادہ ثم سافر الی عراق العجم واخذ المنطق والحکمۃ عن العلامۃ عبد اللہ الیزدی ولازمہ مدۃ طویلۃ حتی حاز قصب السبق ... فبہر الفضلاء من فرط ذکائہ ... فرجع الی الوطن وہو من اکابر العلماء تصدر للتدریس واقام مدۃ فی بلدتہ ثم الجأتہ الفتن الی الخروج من تلک البلاد فدخل دہلی۔"[۲]

شیخ فاضل علامہ عبداللہ بن الہداد عثمانی تلنبی ملتانی اور پھر دہلوی ہندوستان میں جو استاد مشہور ہیں ان میں سے ایک تھے۔ آپ تلنبہ میں پیدا ہوئے ... اور کچھ دن اپنے وطن میں پڑھا پھر ایران کا سفر کیا جہاں علامہ عبداللہ یزدی سے منطق اور حکمت کی تعلیم حاصل کی اور مدت دراز تک انکے ہمراہ رہے یہاں تک کہ اپنے ہمراہیوں سے گوئے سبقت لے گئے ... اور فضلاء سے بوجہ اپنی ذکاء کے بڑھ گئے ... پھر اپنے وطن کو واپس آئے وہ بڑے علماء میں سے تھے اور درس افادہ کی صدارت پر بیٹھے اور مدت تک اپنے وطن میں طلبہ کو مستفید فرماتے رہے یہاں تک کہ فتنہ و فساد نے آپ کو وطن مالوف سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ لہذا آپ دہلی میں داخل ہوئے۔

ب۔ شیخ عزیز اللہ بھی مولانا سماء الدین کے شاگرد نہیں تھے، بلکہ مولانا سماء الدین کے استاد بھائی مولانا فتح اللہ

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص۲۵۳ حاشیہ۔ [۲] نزہۃ الخواطر المجلد الرابع ص۲۰۳۔

ملتانی کے شاگرد تھے، جو مولانا سماء الدین ملتانی کے شاگرد رشید تھے چنانچہ شیخ جمالی[1] نے سیر العارفین میں خود سلطان فتح ا

"خود را در تحصیل علم اندا ختم پیش حضرت سلطان العلماء مولانا سماء الدین قدس سرہ چند سال در شہر یار نش سبقے خواند"

انہیں مولانا فتح اللہ کے شاگرد مولانا عزیز اللہ تھے چنانچہ جب سلطان حسین لنگاہ والی ملتان کے دربا

گجرات کے سفیر نے اپنے ملک کی دولت و ثروت کا ذکر کیا اور سلطان حسین لنگاہ کو اپنی مملکت کی اقتصاد

ہوا تو وزیر عماد الملک نے "ملک کی دولت" مولانا فتح اللہ اور ان کے شاگرد مولانا عزیز اللہ ہی کو بتایا فرشتہ

"فاما مملکت ملتان مردم خیز است۔۔۔۔۔۔ از طبقہ علماء مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از

ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزاں افتخار کنند"[2]

بدایونی نے لکھا ہے کہ ان دونوں بزرگوں شیخ عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز اللہ تلنبی نے آکر دہلی او

میں معقولات کو خصوصی رواج دیا۔[3] مگر اس کی تفصیل نہیں ملی کہ وہ معقولات کی کونسی کتابیں پڑھاتے

"شرح مطالع" اور "شرح مواقف" کا درس میں داخل کرنا محض قیاس آرائی ہے۔ ویسے سلطان حسین ا

زمانے میں مولانا یونس سمرقندی سے حسب تصریح مولانا عبدالحی "شرح مواقف" پڑھا کرتا تھا۔[4] اسی زمانہ م

شیرازی نے گجرات آکر "شرح مواقف" پر "اسئی الکواشف" کے عنوان سے حاشیہ لکھا تھا[5]

ج ۔ مولانا گیلانی نے "شرح حکمۃ اربعین" (جو غالباً شرح حکمۃ العین ہے) کو بھی میر سید شر

بتایا ہے، حالانکہ یہ محمد بن محمود بخاری کی تصنیف ہے (متن حکمۃ العین نجم الدین کاتبی قزوینی کا لکھا

حسب تصریح امام الدین ریاضی انھوں نے (میر سید شریف نے) اس "شرح حکمۃ العین" کو محمد ابن مبارک شاہ

"العالم العالم المنیف والسید السند الشریف شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ است شرح حکمۃ ا

پیش او خواندہ"[6]

خدا جانے مولانا نے کس طرح "شرح حکمۃ العین" کو میر سید شریف کی تصنیف بنا دیا۔

---

[1] سیر العارفین از شیخ جمالی (مخطوطہ ندوۃ العلماء، لکھنو) ورق ۱۴ ب [2] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ
[3] منتخب التواریخ جلد اول ص۳۲۳، ۳۲۴
[4] نزہۃ الخواطر المجلد الرابع ص۳۹۵
[5] نزہۃ الخواطر المجلد الرابع ص۳۰۸
[6] تذکرہ باغستان ص۲۶۷